۲۹

(فرمودہ ۹؍ جنوری ۱۹۴۱ء بمقام عیدگاہ قادیان)

یہ عید اس قربانی کی یاد میں منائی جاتی ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے رب کی خوشنودی کے حصول اور دنیا کی ہدایت کے لئے پیش کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ہدایت پر جمع کرنے کے لئے یہ انتظام فرمایا کہ دنیا میں سے ایک مقام کو برگزیدہ کرے اور لوگوں کے لئے مثابہ یعنی جمع ہونے کی جگہ بنادے اور اسے پاک وصاف اور عبادت کے لئے تیار رکھنے کے لئے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم فرمایا کہ اپنے بچہ کو مقرر کردیں کہ وہ اور اس کی آئندہ نسلیں اس مقام کو باہر سے آنیوالوں نیز مکہ کے رہنے والوں کے لئے بھی عبادت کے قابل رکھیں[1] مگر یہ حکم اس رنگ میں دیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے رؤیا میں دیکھا کہ وہ اپنے بچہ کو ذبح کر رہے ہیں۔ اور آپ نے اس زمانہ کے رواج کے مطابق کہ تمام دنیا میں اس قسم کی قربانی رائج تھی یہی سمجھا کہ گویا انہیں اپنے بچہ کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اور وہ اسے ظاہری شکل میں پورا کرنے کے لئے تیار ہوگئے[2]۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حکم اس رنگ میں اس لئے دیا کہ تا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ذریعہ اس رواج کا قلع قمع کیا جائے۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ اپنے اکلوتے بیٹے کو لیکر جنگل میں گئے اور اسے ذبح کرنے کے لئے زمین پر گرا دیا۔ مگر عین اسی وقت یہ الہام ہوا۔ قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا[3]۔ کہ تُو نے ظاہری طور پر بھی یہ بات پوری کردی اور باطنی طور پر بھی تو نے اس حقیقت کو پورا کردیا۔ جو شخص چھری سے اپنے بچے کو ذبح کرنے کے لئے تیار ہو جائے وہ اسے جنگل میں چھوڑ آنے سے کبھی انکار نہیں کرسکتا۔ چنانچہ آپ نے اس رؤیا کے مطابق اپنے بچے اور بیوی کو خانہ کعبہ کے مقام پر چھوڑ دیا تا وہ دین کی خدمت کے لئے ایک مرکز تیار کریں[4] اور وہی مرکز اس وقت حج کا مقام ہے جہاں تمام دنیا سے حاجی اکٹھے ہو کر پہنچتے ہیں[5]۔ یہ دراصل اسی قربانی کی یاد ہے کہ حضرت ابراہیمؑ اپنے خدا کے حکم کے مطابق اپنے بیٹے کی قربانی کے لئے تیار ہوگئے تھے۔ حج کے موقع پر سب مسلمان قربانی کرکے اس کی یاد کو تازہ کرتے ہیں اور اسی کی نقل میں ہر جگہ مسلمان قربانی کرتے ہیں[6]۔ اور اس طرح گویا یہ بتاتے ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی راہ میں اپنی اور اپنی اولادوں کو قربان کرنے کو بالکل تیار رہیں۔

یہ عید ہمیں یاد دلاتی ہے کہ خدا تعالیٰ کی رضا اور خوشنودی کے حصول کے لئے اپنی اور اپنی اولادوں کی قربانی ضروری ہے۔ جب بھی انبیاء دنیا میں آئے ہیں ان کو معنوی طور پر یہ قربانی

پیش کرنی پڑی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قربانی سے انسان کی جسمانی قربانی تو بند ہوگئی مگر نفوس کی قربانی کی بنیاد ڈال دی گئی۔ اور حق یہ ہے کہ اس کے بغیر خدا تعالیٰ کی رضاء کا حصول ناممکن ہے۔ ظاہری قربانی جو جانوروں کی باقی ہے۔ اس کے متعلق بھی اللہ تعالیٰ نے یہاں تک فرما دیا ہے کہ جو لوگ ظاہری رنگ میں جانور وغیرہ کی قربانی کرتے ہیں۔ ان کو اس امر پر خوش نہیں ہونا چاہیئے کہ یہ خدا تعالیٰ کو پہنچتی ہے۔ فرمایا۔ لَنْ يَّنَالَ اللّٰهَ لُحُوْمُهَا وَلَا دِمَآؤُهَا وَلٰكِنْ يَّنَالُهُ التَّقْوٰى مِنْكُمْ۔ تمہارے ان قربانی کے جانوروں کا گوشت یا خون اللہ تعالیٰ کو نہیں پہنچتا بلکہ اللہ تعالیٰ کو صرف وہ نیکی اور پاکیزگی پہنچتی ہے جو تمہارے دلوں میں ہے۔ بہت سے لوگ بکرے اونٹ یا گائے کی قربانی کرکے یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہم نے اللہ تعالیٰ کو پا لیا۔ مگر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ کوئی چیز نہیں۔ خود ہی جانور ذبح کیا۔ اور خود ہی کھا لیا۔ اس سے خدا تعالیٰ کو کیا۔ یہ تو تصویری زبان ہے جس کے معنی کچھ اور ہیں۔ مصور ہمیشہ تصویریں بناتے ہیں۔ کبھی وہ زنجیر بناتے ہیں جس سے مراد قومی اتحاد ہوتا ہے کبھی وہ طلوع آفتاب کا نظارہ دکھاتے ہیں مگر اس کا مطلب قومی ترقی ہوتا ہے۔ اسی طرح یہ ظاہری قربانی بھی ایک تصویری زبان ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ جانور ذبح کرنے والا اپنے نفس کی قربانی کے لئے تیار ہے جو شخص قربانی کرتا ہے وہ گویا اس امر کا اظہار کرتا ہے کہ میں خدا تعالیٰ کی راہ میں سب کچھ قربان کر دونگا اور جو شخص قربانی کا گوشت کھاتا ہے۔ وہ گویا یہ اقرار کرتا ہے۔ کہ ہماری قوم کی قربانیاں میرے لئے اور ساری امت کے لئے سہولت پیدا کر دیں گی۔ جب عید کے روز کسی کے ہاں قربانی کا گوشت بطور تحفہ آتا ہے تو یہ بکرے یا دنبے یا گائے کا گوشت نہیں ہوتا بلکہ دراصل اس امر کا اظہار ہوتا ہے کہ میرے بھائیوں کی قربانیاں جو وہ خدا تعالیٰ کی راہ میں کر رہے ہیں قبول ہوں گی اور اسلام کی ترقی کا موجب ہوں گی۔ یہ گوشت گویا تصویری زبان میں اسلام کی ترقی کا اقرار ہوتا ہے۔ پس جو بات ہم تصویری زبان میں بیان کرتے ہیں، چاہیئے کہ عملاً بھی اسے پورا کریں۔ کیونکہ محض نقل جس کے ساتھ حقیقت نہ ہو عزت کا موجب نہیں ہو سکتی۔ تھیٹر والوں کو شرفاء کیوں ناپسند کرتے ہیں۔ تھیٹر میں جو نقال بادشاہ بنتے ہیں، شرفاء کے نزدیک ان کی کوئی عزت نہیں ہوتی لیکن حقیقی بادشاہ کی عزت سب کرتے ہیں۔ اس کی کیا وجہ ہے؟ جب بادشاہ بننا موجب عزت ہے تو کیوں اس ایکٹر کی عزت نہیں کی جاتی جو تھیٹر میں بادشاہ بنتا ہے۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ تھیٹر والا محض نقل کرتا ہے اور حقیقی بادشاہ جو کچھ کرتا ہے دنیا کو فائدہ پہنچانے کے لئے کرتا ہے۔ تھیٹر میں بادشاہ بننے والا اگر عملی زندگی میں بھی اس کے لئے جد وجہد کرے تو اسے برا نہیں سمجھا جائے گا لیکن محض نقل کسی عزت کا مستحق نہیں بنا سکتی۔ اسی طرح جو شخص

بکرے کی قربانی کے ساتھ اپنے نفس کی قربانی بھی کرتا ہے، وہ شرفاء کے نزدیک قابل عزت و احترام ہے لیکن جو صرف بکرے کی قربانی پر اکتفا کرتا ہے۔ وہ نقال اور بھانڈ ہے اس لئے کسی عزت کا مستحق نہیں جس طرح بھانڈ کی کوئی عزت نہیں ہوتی اس کی بھی نہیں ہوسکتی۔ اسی طرح جو شخص قربانی کا گوشت کھانے کو تو تیار ہوجاتا ہے مگر اسلام کی ترقی کی خوشی میں شامل ہونے کو تیار نہیں وہ بھی بھانڈ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ دراصل عمل ہی ہے جو انسان کو معزز بناتا ہے محض نقالی کوئی چیز نہیں۔

پس دوست آج کے دن سے سبق حاصل کریں اور ہمیشہ اس قربانی کو مدنظر رکھیں جو ابراہیم علیہ السلام کے مدنظر تھی، جو حضرت ہاجرہ کے مدنظر تھی۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ تو نبی تھے عام انسان انبیاء جیسی قربانی کس طرح کرسکتے ہیں۔ مگر ان کو یاد رکھنا چاہیئے کہ حضرت ہاجرہ تو نبی نہیں مگر ان کی قربانی کتنی شاندار ہے کیا ہی دردناک نظارہ ہے، حضرت ابراہیمؑ اپنی بیوی اور بچے کو ایک جنگل میں چھوڑ آتے ہیں جہاں پچاس پچاس میل یا سو سو میل تک کوئی آبادی نہیں۔ پھر کوئی ساتھی بھی نہیں، کوئی سامان نہیں، صرف ایک مشکیزہ پانی کا اور ایک تھیلی کھجوروں کی جو زیادہ سے زیادہ دو تین روز کے لئے کفایت کرسکتی ہے۔ ایسی بیکسی کی حالت میں چھوڑ کر حضرت ابراہیمؑ واپس ہوتے ہیں تو حضرت ہاجرہ ان کا تعاقب کرتی ہیں انہوں نے سمجھ لیا کہ حضرت ابراہیمؑ ان کو چھوڑ کر جارہے ہیں۔ اس لئے وہ پیچھے پیچھے چلتی ہیں۔ اور پوچھتی ہیں۔ کہ ابراہیمؑ ہم کو کہاں چھوڑے جاتے ہو، یہاں نہ تو کوئی آبادی ہے۔ اور نہ ہمسایہ، نہ کھانے پینے کی کوئی چیز ہے۔ وہ بار بار یہ سوال کرتی ہیں مگر حضرت ابراہیمؑ کوئی جواب نہیں دیتے چونکہ ان کو سخت صدمہ اور غم تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ اگر میں نے بات کی تو میرے آنسو جاری ہوجائینگے اور اس سے ان کو اور صدمہ ہوگا، اس لئے وہ جواب سے پہلو تہی کرتے رہے۔ آخر حضرت ہاجرہ نے دریافت کیا کہ کیا آپ کو اللہ تعالےٰ نے ایسا کرنے کا حکم دیا ہے۔ آپ نے فرمایا: ہاں۔ حضرت ہاجرہ کی لئے بظاہر دیکھو! ان کو اس امر میں صریح تباھی نظر آتی تھی۔ پھر ساتھ چھوٹا بچہ تھا، حفاظت کا کوئی سامان نہ تھا، دور دور تک کوئی آبادی نہ تھی۔ ایک مشکیزہ پانی اور ایک تھیلی کھجور کے سوا کھانے پینے کا بھی کوئی سامان پاس نہ تھا جو دو آدمیوں کے لئے زیادہ سے زیادہ دو تین روز تک کفایت کرسکتا ہے۔ یہ ایسے حالات ہیں کہ جن میں ایک قوی سے قوی انسان بھی ڈر جاتا ہے۔ لیکن جب حضرت ابراہیمؑ نے جواب میں کہا کہ میں خدا تعالیٰ کے حکم سے تمہیں یہاں چھوڑے جاتا ہوں تو جانتے ہو کہ حضرت ہاجرہ نے کیا جواب دیا۔ آپ فوراً پیچھے لوٹیں اور کہا کہ اگر خدا کا حکم ہے تو بے شک جائیے ہمیں کوئی پرواہ نہیں، ہمارا

خدا ہمیں ضائع نہیں کرے گا۔ دیکھو کتنا زبردست ایمان اور عظیم الشان یقین ہے۔ حضرت ہاجرہ کا یہ ایمان اور یقین ہی تھا جس نے حضرت ابراہیمؑ کے ایمان اور یقین سے مل کر مکّہ کو ایک آباد شہر بنا دیا۔ دنیا کی عورتوں میں اس کی مثالیں بہت کم مل سکتی ہیں۔ اوّل تو عورت ہوتی ہی کمزور دل کی ہے۔ لیکن اگر کسی سے کہا جائے کہ آگ میں جل جاؤ یا چھری سے اپنے آپ کو ذبح کرلو، تو یہ نسبتاً آسان ہے بجائے جنگل میں بھوکا مرنے کے۔ جہاں اَور بھی خطرات ہوں۔ ممکن ہے شیر یا کوئی چیتا آکر ہلاک کردے یا پیاس سے تڑپنا پڑے اور بھوک سے مرنا ہو۔

پھر اس کے علاوہ ایک اور بات ہے۔ اور وہ یہ کہ ماں اپنی موت قبول کرسکتی ہے مگر اپنے بچے کی ایسی دردناک موت کو برداشت نہیں کرسکتی کہ اس کا اکلوتا لڑکا پانی کے گھونٹ اور روٹی کے لقمہ کے لئے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مرجائے۔ پھر حضرت ہاجرہ کے دل میں یہ وسوسہ بھی پیدا ہوتا ہوگا کہ ممکن ہے پہلے مَیں مرجاؤں اور بچہ بعد میں تڑپ تڑپ کر جان دے۔ اس قسم کے خطرات کے باوجود ان کا اس قربانی کے لئے تیار ہو جانا ایسی ہمت کا کام ہے جو ہمیشہ کے لئے یاد رکھے جانے کے قابل ہے۔ وہ اُن سب صدمات کو برداشت کرنے کے لئے تیار ہوگئیں۔ اور اپنی اور اپنے بچہ کی موت کے خوف کے باوجود اس دن کے انتظار کے لئے آمادہ ہوگئیں۔ جب اللہ تعالیٰ مکّہ کو ایک شہر بنادے گا۔

یہ قربانی ہمیں بتاتی ہے، کہ انسان مومنِ کامل اس صورت میں بن سکتا ہے جب وہ خدا تعالیٰ کے سامنے اپنے آپ کو اس رنگ میں ڈال دے کہ اسے کسی خطرہ کی پرواہ نہ ہو۔ بھوک اور پیاس کی تکلیف کا احساس مٹ جائے۔ اور وہ دوستوں اور مددگاروں سے بالکل بے نیاز ہوجائے۔ یہ قربانی اپنے اندر ہر قسم کی قربانی رکھتی ہے۔ اس میں وطن کی قربانی بھی ہے رشتہ داروں اور دوستوں کی قربانی بھی ہے۔ انسان چاہتا ہے کہ وہ ڈر سے بچ جائے مگر اس قربانی میں اطمینان کی قربانی بھی شامل ہے۔ گویا آرام کی ساری صورتیں یہاں مفقود تھیں۔ ساتھی نہ تھے بیوطنی تھی۔ بھوک پیاس سے بچنے کے سامان نہ تھے، اطمینان کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ مگر ان سب باتوں کے باوجود اللہ تعالیٰ نے حضرت ہاجرہ کو توفیق دی۔ اور انہوں نے ان سب خطرات کو قبول کیا۔ اور سمجھ لیا کہ جب میں خدا تعالیٰ کے لئے قربانی کرتی ہوں تو وہ مجھے کبھی ضائع نہیں کرے گا۔

سب انبیاء کی جماعتوں کو درجہ بدرجہ قربانی کرنی پڑتی ہے۔ اس وقت جو لوگ یہاں بیٹھے ہیں ان میں سے اکثر ہیں جن کو اپنے وطن قربان کرنے پڑے۔ پھر اب تو قادیان میں حالات کچھ درست ہوگئے ہیں اور کچھ تجارتیں چل نکلی ہیں مگر جو لوگ ابتدائی زمانوں میں یہاں آئے، ان کے گزارہ کی یہاں کوئی صورت نہ تھی۔ حضرت خلیفہ اوّل رضی اللہ عنہ کو اللہ تعالیٰ نے ایک اعلیٰ درجہ

کی ملازمت عطا فرمائی تھی۔ وہ چھوٹی تو آپ نے اپنے وطن میں پریکٹس شروع کی۔ وہاں آپ کی بہت شہرت تھی۔ آپ کا وطن بھیرہ سرگودھا کے ضلع میں ہے جہاں بڑے بڑے زمیندار ہیں اور ان میں سے اکثر آپ کے بڑے معتقد تھے۔ پس وہاں کام چلنے کا خوب امکان تھا۔ لیکن آپ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملنے قادیان آئے چند روز بعد جب واپسی کا ارادہ کیا تو حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ دنیا کا آپ بہت کچھ دیکھ چکے ہیں۔ اب یہیں آ بیٹھئے۔ آپ نے اس ارشاد پر ایسا عمل کیا کہ خود سامان لینے بھی واپس نہیں گئے بلکہ دوسرے آدمی کو بھیج کر سامان منگوایا۔ اس زمانہ میں یہاں پریکٹس چلنے کی کوئی امید ہی نہ تھی۔ بلکہ یہاں تو ایک پیسہ دینے کی حیثیت والا بھی کوئی نہ تھا مگر آپ نے کسی بات کی پرواہ نہیں کی۔ پھر بھی آپ کی شہرت ایسی تھی کہ باہر سے مریض آپ کے پاس پہنچ جاتے تھے۔ اور اس طرح کوئی نہ کوئی صورت آمد کی پیدا ہو جاتی تھی۔ مگر حضرت مولوی عبدالعزیز صاحب کی قربانی ایسے رنگ کی تھی کہ کوئی آمد کا احتمال بھی نہ تھا۔ نہ کہیں سے کسی فیس کی امید تھی نہ کوئی تنخواہ تھی اور نہ وظیفہ۔ کسی طرف سے کسی آمد کا کوئی ذریعہ نہ تھا، مگر وہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سیکرٹری کے طور پر کام کرتے تھے۔ اس وقت جتنے کام تمام محکمے کر رہے ہیں یہ سب وہ اکیلے کرتے تھے۔ حالانکہ گذارہ کی کوئی صورت نہ تھی۔ اور یہ بھی وادیٔ غیر ذی زرع میں جان قربان کرنے والی بات ہے۔

اور بھی کئی ایسے لوگ ہیں۔ اب تو یہاں بعض ملازمتیں نکل آئی ہیں اور صنعت و حرفت کے بعض کام بھی چل پڑے ہیں۔ تجارت بھی کچھ نہ کچھ ہونے لگی ہے گو لاہور، امرتسر وغیرہ بڑے شہروں کی طرح تو نہیں مگر پھر بھی گذارہ کی صورت پیدا ہو گئی ہے۔ لیکن ابتداء میں ان چیزوں میں سے کچھ بھی یہاں نہ تھا۔ اور اب بھی دوست اگر اپنی قربانیاں جاری رکھیں تو موجودہ حالت بھی ترقی کے لئے بیج بن جائے گی۔ یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے۔ کہ وہ ہر قربانی کو جو انسان کرتا ہے آئندہ ترقیات کے لئے بیج کی حیثیت دے دیتا ہے۔ کئی لوگوں کی قربانیوں کی مثال بوڑھے درخت کی ہوتی ہے جو صرف اپنے آپ کو ہی فائدہ پہنچاتے ہیں۔ کئی ایک کی مثال جوان پھلدار درخت کی ہوتی ہے جو کچھ نہ کچھ فائدہ دنیا کو بھی پہنچاتے ہیں۔ مگر کئی ایک کی مثال اس بیج کی سی ہوتی ہے۔ جس میں سے سو سو، دو دو سو دانے پیدا ہو سکتے ہیں۔ ایسی ہی قربانی حضرت ابراھیم علیہ السلام اور حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کی قربانی کی طرح ہوتی ہے۔ اور کوئی انسان جتنی اس قسم کی قربانی کرتا ہے اتنا ہی اللہ تعالیٰ اس میں نشوونما کی طاقت کو بڑھا دیتا ہے۔ حضرت ابراہیم نے جب قربانی کی تو اللہ تعالیٰ نے کہا کہ آسمان کی طرف دیکھ جس طرح آسمان پر ستارے بے شمار ہیں اسی طرح دنیا میں تیری نسل بھی بے شمار ہو گی۔ آج دنیا میں جدھر جاؤ، حضرت ابراہیمؑ کی نسل نظر آتی ہے۔ کروڑوں یہودی ہیں، پھر سید بھی چالیس پچاس لاکھ ہوں گے، کروڑ دو کروڑ

قریب قریش ہیں۔ اور اس طرح تمام دنیا کی قریبًا پانچ فیصدی آبادی ابراہیمی نسل سے ہے۔ اللہ تعالےٰ نے آپ کی نسل کو اس قدر صرف اس لئے بڑھایا کہ وہ اپنے آپ کو نیز اپنی اولاد کو اللہ تعالےٰ کی راہ میں قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔ اور حضرت ابراہیمؑ کی یہ قربانی ہمیں یہ سبق سکھاتی ہے کہ اولاد قربان کرنے سے نسل بڑھتی ہے۔ اور اگر کوئی چاہتا ہے کہ اس کی نسل بڑھے اور پھیلے اور اسے اور اس کی نسلوں کو عزت ملے تو اس کا طریق یہ ہے کہ اپنی اولاد کو دین کی راہ میں قربان کر دے۔ یہ ایک ایسا گر ہے کہ ہمارے دوستوں کو اس سے فائدہ اٹھانا چاہیئے۔ اگر وہ چاہتے ہیں کہ ان کی نسلیں دنیا پر چھا جائیں اور ہزاروں سال تک ان کا نام عزت کے ساتھ زندہ رہے تو وہ اسوہ ابراہیمیؑ پر عمل پیرا ہوں۔ حضرت ابراہیمؑ کیا تھے ایک معمولی رئیس تھے۔ جن کے پاس شاید چار پانچ سو بکریاں ہوں گی، سو دو سو اونٹ ہوں گے جو آج ہزاروں لوگوں کے پاس ہیں۔ مگر ان کا کسی کو علم بھی نہیں ہوتا لیکن حضرت ابراہیمؑ کی یاد ساری دنیا میں قائم ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالےٰ نے ان کی نسل کو وسعت دی اور اب تو آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں ان کا ہاتھ دے کر ان کی روحانی اولاد بھی بہت سی بنا دی ہے اور اس طرح اور بھی عزت قائم کر دی۔ آج یہ تو ہو سکتا ہے کہ کوئی یہودی حضرت ابراہیمؑ کے لئے گالی برداشت کرے مگر کوئی مسلمان برداشت نہیں کر سکتا۔ یہودی آپ کی ذریت سے ہیں مگر کوئی یہودی آپ کے لئے روزانہ دعا نہیں کرتا ہو گا۔ لیکن مسلمان دن میں پانچ وقت اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّعَلٰٓى اٰلِ مُحَمَّدٍ كَمَا صَلَّيْتَ عَلٰٓى اِبْرَاهِيْمَ وَعَلٰٓى اٰلِ اِبْرَاهِيْمَ کہتا ہے اور اس طرح آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ حضرت ابراہیمؑ کے لئے بھی دعا کرتا ہے۔ یہ برکت حضرت ابراہیمؑ کو اس قربانی کی وجہ سے ملی۔ اور یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ حضرت ابراہیمؑ کے ساتھ اللہ تعالےٰ کا کوئی رشتہ نہ تھا جو اُن کو اتنی برکت دیدی۔ ہر شخص جو آپ کے نقش قدم پر چلے اور اپنے نفس اور اپنی اولاد کو خدا تعالیٰ کی راہ میں قربان کر دے ان برکات سے حصہ پا سکتا ہے جو اللہ تعالےٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو عطا کیں۔

پس اس عید سے یہ سبق سیکھا جائے تو یہ ہمارے لئے خوشی کا موجب ہو سکتی ہے۔ ورنہ یہ ہمارے لئے خوشی کا نہیں بلکہ ملامت کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالےٰ نے ایسا انتظام کیا ہے کہ ہر سال یہ عید آ کر ہمیں اپنے فرض منصبی کی طرف متوجہ کرتی ہے مگر ہم پھر بھول جاتے ہیں۔ پس دوستوں کو یہ سبق اچھی طرح یاد رکھنا چاہیئے اور کوشش کرنی چاہیئے کہ حضرت ابراہیمؑ کے نقش قدم پر چلیں۔ اللہ تعالےٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائے، مَیں اسی پر خطبہ کو ختم کرتا ہوں۔

آج بعض دوستوں کی طرف سے تحریک کی گئی تھی کہ اعلان کر دیا جائے کہ سب لوگ خطبہ کے لئے بیٹھے رہیں کوئی خطبہ ختم ہونے سے پہلے نہ جائے۔ مگر مَیں نے اس سے روک دیا کیونکہ قربانی کے لئے یا اور اشد ضرورتوں کے لئے چلے جانا جائز ہے[۱]۔ مگر مَیں نے دیکھا ہے کہ قریباً سب لوگ آپ ہی آپ بیٹھے رہے ہیں۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ لاؤڈ سپیکر کی وجہ سے آواز ہر جگہ آسانی سے پہنچ رہی ہے۔ یا شاید اللہ تعالےٰ نے ہی ان کے دل میں یہ بات ڈال دی کہ سب کے سب بیٹھ کر خطبہ سُنیں۔

اسی طرح مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری[۲] نے مجھے لکھا ہے کہ جو روزہ اس عید کے موقع پر رکھا جاتا ہے وہ سنّت نہیں، اس کا اعلان کر دیا جائے۔ مگر رسول کریم صلے اللہ علیہ وسلم کا یہ طریق ثابت ہے کہ آپ صحت کی حالت میں قربانی کر کے کھاتے تھے[۳] تاہم یہ کوئی ایسا روزہ نہیں کہ کوئی نہ رکھے تو گنہگار ہو جائے۔ یہ کوئی فرض نہیں بلکہ نفلی روزہ ہے اور مستحب ہے۔ جو رکھ سکتا ہو رکھے مگر جو بیمار، بوڑھا، یا دوسرا بھی نہ رکھ سکے وہ مکلّف نہیں اور نہ رکھنے سے گنہگار نہیں ہوگا۔ مگر یہ بالکل بے حقیقت بھی نہیں جیسا کہ مولوی بقاپوری صاحب نے لکھا ہے مَیں نے صحت کی حالت میں حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس پر عمل کرتے دیکھا ہے۔ پھر مسلمانوں میں یہ کثرت سے رائج ہے اور یہ یونہی نہیں بنا لیا گیا بلکہ مستحب نفل ہے جس پر رسول کریم صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا تعامل رہا اور جس پر عمل کرنے والا ثواب پاتا ہے مگر جو نہ کر سکے اسے گناہ نہیں۔

اس کے بعد میں دعا کرتا ہوں کہ اللہ تعالےٰ اس عید کو ہمارے لئے حقیقی عید بنائے اور اسے اسلامی ترقیات کا موجب کرے۔ ہم میں باہمی محبت اور الفت پیدا کرے اور مخالفتوں، بُغض و عناد اور عداوتوں کو دُور کر دے۔ اور سب کے دلوں میں حقیقی ہمدردی اور محبت پیار پیدا کرے۔ ہماری سستیوں اور کوتاہیوں کو دُور کر کے محنت کی عادت ڈال دے تا ہم دنیا میں کارآمد اور مفید وجود بن سکیں نکمّے ذلیل اور ناکارہ نہ ہوں۔ آمین۔

(الفضل ۱۷ر جنوری ۱۹۴۱ء)

۱۔ البقرۃ ۲ : ۱۹۶ - الحج ۲۲ : ۲۷

۲۔ الصّٰفّٰت ۳۷ : ۱۰۳ - ۱۰۴

۳۔ الصّٰفّٰت ۳۷ : ۱۰۶

۴ - ابراہیم ۱۴ : ۳۸

۵ - آل عمران ۳ : ۹۷-۹۸ - الحج ۲۲ : ۲۸

۶ - الصّٰفّٰت ۳۷ : ۱۰۵

۷ - الحج ۲۲ : ۳۸

۸ - صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب یزفون النسلان فی المشی۔

۹ - تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۱۴۴

۱۰ - تاریخ احمدیت جلد ۴ صفحہ ۱۴۸

۱۱ - مکتوب امام الزمان بنام حضرت نواب محمد علی خان رضی اللہ عنہ۔ اصحاب احمد جلد ۲ صفحہ ۹۱

۱۲ - حیاتِ نورالدین مطبوعہ دسمبر ۱۹۲۲ء صفحہ ۱۵۴ وحیاتِ نُور مصنفہ شیخ عبدالقادر صاحب صفحہ ۳۱۲

۱۳ - ملفوظات جلد ۸ صفحہ ۳۶۵

۱۴ - پیدائش باب ۲۲ آیت ۱۷

۱۵ - پیدائش باب ۲۲ آیت ۱۸

۱۶ - الصّٰفّٰت ۳۷ : ۱۰۵، ۱۰۷ - سنن ابی داؤد صلوٰۃ العیدین۔ باب الجلوس للخطبة

۱۷ - حضرت مولوی محمد ابراہیم صاحب بقاپوری (۱۸۷۳ - ۱۹۶۴ء) باقاعدہ بیعت ۱۹۰۵ء میں کی۔ آپ سلسلہ کے ممتاز خادم تھے۔ سالہا سال تک مبلغ اور پھر رئیس التبلیغ کے فرائض انجام دیتے رہے۔

۱۸ - سنن کبریٰ جلد ۳ صفحہ ۲۸۵